

عصر حاضر میں دعوت و تبلیغ کے بدلتے اسالیب اور ان کی رعایت
(سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں)

**Changing Styles of Dawah and Preaching in
Modern Times and their Observances
(In the light of the Seerah of the Prophet PBUH)**

*ڈاکٹر حافظ ناصر علی

**ڈاکٹر اشفاق احمد

ABSTRACT

In the era of modern globalization, Da'wah and preaching have become essential to protect the new generation from negativities of directionless modernism. Moreover, this is also a need for time to make Da'wah more ordered, more logical, and more effective through dialogue. For this mastery over new social trends, comprehensive knowledge, awareness of class and cultural dimensions, and specialty in modern sources of communication are needed. The process of opinion-making has not only become vast but also got complicated as globalization has encouraged individual liberty whose effects are obvious. Keeping all these points in view, the following questions are to be addressed in this article:

1. How much the process of opinion-making has changed and what are its bases?
2. What are the shortcomings of a Preacher in modern times and how they affected social communications?
3. Why is it necessary to train a Preacher about the individual and social norms of modern days?

KEY WORDS:

Da'wah, Preaching, Modern trends of Da'wah, Qualities of a Preacher.

دعوت و تبلیغ کے جدید اسالیب کے پس منظر میں مختلف جہات میں بہت سی کتب و مقالات تحریر کیے گئے ہیں جن میں زیادہ تر دعوتی اخلاقیات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ باوصف اس کے کہ داعی کی ذات اور اس کی تربیت سے متعلقہ امور پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے مگر اس کو زیادہ جامع انداز میں محور بنانے کی ضرورت ہے۔ چونکہ اہل علم کے لیے اس پر

* وزنگ لیکچرر، یونیورسٹی آف سرگودھا، سب کیمپس بھکر

** اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف سرگودھا، سب کیمپس، بھکر

مزید گفتگو کی گنجائش و ضرورت ہے لہذا اس مقالہ میں ان میں سے چند جہات پر بات کی گئی ہے۔

دعوتِ کافن اور سیرتِ نبوی ﷺ

آدابِ مکالمہ

مکالمہ کو دعوتِ دین کے لیے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ طرزِ مخاطب ہے جو لوگوں پر پیغام کا اچھا یا برا اثر چھوڑتا ہے۔ دعوت کے منہجِ نبوی میں مکالمہ روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک اچھے مکالمے کے لیے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دیگر مذاہب کے لوگوں کی زبان سیکھنے کی بھی تاکید کی۔

عصر حاضر میں دعوتِ دین کے شعبے کے ساتھ جڑے ہوئے بعض لوگ اس لیے وہ مطلوبہ نتائج اخذ نہیں کر پاتے کیونکہ وہ مکالمہ کے فن اور اس کی اہمیت سے نااہل ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور منہجِ دعوت سے پتہ چلتا ہے کہ مکالمہ بلا تفریق تمام طبقات و مذاہب کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ مثال کے طور پر یہود کے ساتھ آنحضرتؐ نے ان کے انکار اور دشمنی کے باوجود بقائے باہمی کی بنیاد پر ”ميثاقِ مدینہ“ کی صورت میں اکٹھے رہنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔^۱ اس بقائے باہمی کا فیصلہ ميثاقِ مدینہ کی تشکیل بھی مکالمہ بین المذاہب کی ایک عملی شکل تھی۔ اس کے علاوہ یہودیوں کے ساتھ مذہبی معاملات پر باہمی گفتگو کے بارے میں مختلف روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن میں خاص طور پر وہ روایت قابل ذکر ہے جس میں تورات میں زنا کی سزا کے بارے میں یہودی علماء کے ساتھ جناب رسول اکرمؐ کی گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے۔^۲

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کے تین قبائل آنحضرتؐ کے انتظار میں تھے۔ بنو قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ۔ تینوں یہودی قبائل تھے جو اس سے پہلے پیغمبرِ آخر الزمان کا نام لے کر اور ان کا حوالہ دے کر دشمنوں پر رعب جمایا کرتے تھے اور نبی آخر الزمان کی برکت سے جنگوں میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ کو پہچاننے کے باوجود آپ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور دشمنی پر اتر آئے۔^۳ تاریخ کا عجیب سا سوال ہے کہ جب مدینہ منورہ کے یہودی پیغمبرِ آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے اور تشریف آوری پر پہچان بھی لیا تھا تو پھر انکار کیوں کر دیا؟ اس سوال کا جواب ہمیں قیصر روم اور (حضرت) ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے اس مکالمے میں ملتا ہے جو بخاری شریف میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور جس میں قیصر روم نے صاف طور پر کہا تھا کہ ابوسفیان نے میرے سوالات کے جواب میں جو کچھ کہا ہے اگر یہ درست ہے تو حضرت محمدؐ واقعتاً نبی ہیں، مجھے بھی پیغمبرِ آخر الزمان کا انتظار تھا اور لگتا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ آخری پیغمبرِ عرب کے بدوؤں میں پیدا ہو جائیں گے۔^۴ گویا بنی اسرائیل کی طرف سے خواہ وہ یہودی ہوں یا

عیسائی، آنحضرتؐ کے انکار اور آپؐ کو قبول نہ کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپؐ عربوں میں پیدا ہوئے تھے اور بنی اسرائیل کے لیے نسلی عصبیت کی وجہ سے عربوں میں پیدا ہونے والے نبی آخر الزمان کو قبول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

مسیحیوں کے ساتھ ہمارا اس دور کا سب سے بڑا مکالمہ نجران سے آنے والے مسیحی علماء و مشائخ کے ساتھ جناب رسول اکرمؐ کی گفتگو ہے۔ انہیں آنحضرتؐ نے پورے اعزاز اور پروٹوکول کے ساتھ مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور کئی روز تک ان سے توحید خداوندی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت پر گفتگو ہوتی رہی جو کسی نتیجے تک نہ پہنچی تو مہابہ کی نوبت آگئی۔ مگر جناب نبی اکرمؐ کی طرف سے مہابہ کی دعوت کو مسیحی علماء نے قبول نہ کیا اور جزیہ و ماتحتی پر معاہدہ کر کے وہ واپس نجران چلے گئے۔⁵

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مختلف مذاہب کے ساتھ مکالمے اور گفتگو کے چند واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، آج بھی ہمارے لیے دعوت دین کے معاملے میں یہی راہنما اصول ہیں۔

متنازعہ موضوعات سے احتراز

دین اسلام کا بنیادی وصف یہ ہے کہ یہ امن و آشتی کی دعوت دیتا ہے۔ یہ اسلوب قرآن کریم کے منہج دعوت اور آنحضرت ﷺ کے اُسوہ حسنہ میں واضح طور پر عیاں نظر آتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ عز و جل نے اہل کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"تَعَاوَنُوا لِي كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ"⁶

ترجمہ: ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔

یہ آیت کریمہ ادیان کے مابین ہم آہنگی کو فروغ دینے اور مکالماتی فضا کو تشکیل دینے میں ایک ایسی مثال ہے جو صرف قرآن کریم اور دین اسلام کا خاصہ ہے کہ اس منہج اور اس نوع کی دعوت کا اسلوب کسی اور مذہب یا ثقافت میں نہیں ملتا۔ یہ دراصل مشترکات کی دعوت ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یکطرفہ مفاہمت کی جائے بلکہ یہ ہے کہ مخاطب کو پہلے داعی کے اخلاق کے ذریعے ہم آہنگ بنایا جائے اور قریب لایا جائے۔ علماء نے دعوت کے جو اسالیب بیان کیے ہیں ان میں مخاطب کو اپنی طرف راغب کرنے کو بہت اہمیت دی گئی ہے⁷۔ اسی کو موعظہ حسنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ دوسرے سے اختلافات کے باوجود اس کو اپنے اخلاق اور طریقِ تکلم سے متاثر کیا جائے کہ وہ پہلے بات سننے کی طرف راغب ہو۔ علماء کرام نے وعظ اور تعلیم کے مابین فرق کو بیان کیا ہے۔ وعظ دعوت کا حصہ ہے اور اس میں ترغیب کا منہج استعمال کیا جاتا ہے جس میں متنازعہ موضوعات سے احتراز بھی شامل ہے، جبکہ تعلیم اس کے بعد کا مرحلہ ہوتا ہے جس میں ایک دین کی جانب رغبت رکھنے والے شخص کی مذہبی عقائد و عبادات کے امور میں رہنمائی کی جاتی ہے۔

جناب رسول کریم ﷺ کی سیرت حسنہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جب بھی آپ ﷺ نے مخالفین اسلام یا دین سے ناواقف لوگوں کو دعوت دینا چاہی تو اس امر کا خیال رکھا کہ ان براہ راست ایسے موبوعات پر گفتگو نہ کی جائے، بلکہ انہیں انسانی احترام اور باہمی مصالحت و مفاہمت کا پیغام دیا جائے۔ چاہے اس کا اسلوب قولی ہو یا عملی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے کسی خیر خواہی کے عمل سے اسلام لے آئے۔ یہ بھی دعوت کا ایک مؤثر اسلوب ہے جس میں علمی و مختلف فیہ موضوعات کو زیر بحث لانے کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اگر قولاً بھی کسی کو دعوت دی تو اس میں بھی ترغیب و فلاح کا پیغام دیا۔ اس کی ایک مثال نجران کے عیسائی وفد سے آپ ﷺ کا معاملہ ہے کہ ان کے ساتھ آپ ﷺ تولاً و عملاً اس طرح پیش آئے کہ انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ انہیں ان کے مذہب سے الگ ایک اور مذہب کی دعوت دی جا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ معاہدے میں یہ سطور لکھوائیں:

ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة مُحَمَّد النَّبِيِّ رَسُولِ اللَّهِ عَلَى أَنْفُسِهِمْ، وملتهم، وأرضهم، وأموالهم. وغائبهم وشاهدهم وعيرهم وبعثهم. وأملتهم لا يغير ما كانوا عَلَيْهِ ولا يغير حق من حقوقهم. وأملتهم لا يفتن أسقف من أسقفيته. ولا راهب من رهبانيتها. ولا واقه من وقاهيته على ما تحت أيديهم من قليل أو كثير، وليس عليهم رهن ولا دم جاهلية، ولا يحشرون ولا يعشرون.⁸

ترجمہ: اہل نجران اور اس علاقے کے مضافات میں بسنے والے لوگوں کے جان، مال، ان کا مذہب، زمینیں، ان کا حاضر و غائب، ان کا وفد، ان کے سفیر، ان کی خواتین، سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں متصور ہوں گے۔ ان کی موجودہ حیثیت میں کوئی تعرض و تغیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حقوق میں کوئی کمی کی جائے گی۔ ان کے بت نہیں توڑے جائیں گے، ان کی عبادت گاہوں کے منتظم اپنے مناصب سے ہٹائے نہیں جائیں گے۔ ان لوگوں کے پاس جو کچھ بھی کم یا زیادہ ہے وہ ایسے بدستور رہے گا۔ ان سے جاہلی عصر کے کسی جرم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ نہ انہیں ظلم کرنے دیا جائے گا نہ ان پر ظلم کیا جائے گا۔

اس معاہدے کی شقوق پر نظر ڈالنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منہج دعوت میں انسانی دوستی اور مفاہمتی عمل کی کتنی اہمیت تھی۔

سیرت نبوی (ﷺ) کے مطالعہ سے ایسے بے شمار شواہد اور واقعات ملتے ہیں جن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلموں اور غیر مسلموں کو قریب لانے اور ہر دور میں ہم آہنگی کے فروغ کو سرکار دو جہاں ﷺ کتنی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ آج جب ہماری بعض نادانیوں اور اسلام کی غلط تفہیم سے پیدا ہونے والے فتنہ دہشت گردی کی وجہ سے دشمنانِ اسلام دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام اور دنیا نے جدید ایک دوسرے سے متصادم دو قوتیں ہیں⁹۔ یہ بھی

کہ مسلمان سوائے اہل اسلام کے باقی سب کو فالتو مخلوق سمجھتے ہیں اور ان کیساتھ میل جول کو گناہ تصور کرتے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی دیگر بحیثیں ان دنوں دُنیا میں طول پکڑ رہی ہیں، ایسے میں ہمیں سیرت پیغمبر دین مبین میں جھانک کر اپنے لئے راستہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے اور سیرت پاک کی روشنی میں دُنیا کو یہ باؤر کروانے کی ضرورت ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کل عالمین کیلئے رحمت بن کر آئے اور آپ ﷺ کا دین بھی عالمین کیلئے رحمت ہے¹⁰۔

معاشرتی پہلوؤں کی رعایت، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

ثوابت و متغیرات اور سماج کے ذہنی رجحانات کا خیال:

دعوت دین کا تعلق چاہے مسلمانوں کے ساتھ ہو یا غیر مسلموں کے ساتھ، اس میں ایک اہم امر یہ بھی ہے کہ دعوت کے تناظر میں جن چیزوں پر زور دیا جا رہا ہے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ مسلم فقہاء اور مفکرین نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ دین میں کچھ امور ثوابت کا درجہ رکھتے ہیں جو کبھی بھی اور کسی زمانے میں بھی تبدیل نہیں کیے جاسکتے جبکہ کچھ امور متغیرات میں سے ہوتے ان کے حوالے سے بھی داعیان دین کو علم ہونا چاہیے۔ تاکہ ثوابت و متغیرات کا علم ہو گا تو دعوت کا طریق کار بھی زیادہ موثر ہو گا۔

بالخصوص سماج کے انتظامی سماجی معاملات سے تعلق رکھنے والے امور میں داعی کو ثوابت و اتغیرات کا علم ہونا چاہیے، اگر اسے ان کا پتہ نہیں ہو گا تو وہ بعض اوقات ایسی چیزوں میں شدت اختیار کرے گا جو متغیرات سے ہیں یا ان میں امور میں نرمی برتے گا جو ثوابت ہیں تو اس سے اسلام کی تعلیم کا صحیح تعارف نہیں ہو گا۔¹¹

اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام کے ساتھ مشاورت کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماج میں کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو متغیرات ہوتے ہیں جن میں مشاورت کو اساس بنایا جاسکتا ہے جو وقت کے اعتبار سے تبدیل ہو سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لے آنے کے بعد انتظامی امور میں جو سیاسی فیصلے اور احکامات جاری فرمائے ان کی اکثریت کا صدور وقتی حاجت کی وجہ سے ہوا۔ اور ان میں آپ نے اہل مدینہ سے مشورہ بھی طلب کیا جس میں انہیں اتفاق یا اختلاف کی مکمل آزادی حاصل تھی¹²۔ ایسا شاذ و نادر ہی ہوا کہ کسی انتظامی معاملے میں وحی الہی کا نزول اس کے متعلق عمل یا فیصلے کے صدور سے پہلے ہو ا۔

آنحضرت ﷺ کا بیعت کے ذریعے انتخاب اور اس کے بعد آپ کا صحابہ کرام سے مشورہ کر کے سیاسی رائے قائم کرنا، فیصلہ صادر کر دینا اور اس کے بعد توثیق یا تبدیلی کے لیے آیت کا نازل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ انتظامی معاملات میں غیر متغیر و حتمی احکامات دینے کی بجائے شریعت کا مزاج مسلمانوں میں جائز مشاورت کو فرغ دینے کا ہے۔ شورا بیت کو قانون بنانا اور اس کے بعد فیصلے پر رائے کا اظہار کرنے کا مقصد تربیت کرنا تھا کہ داخلہ و خارجہ کے انتظامی معاملات میں

کن مصالحو کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ ان مصالحو و مقاصد کی رعایت رکھتے ہوئے انسانی عقل و تدبر کے ذریعے امور سلطنت میں فیصلے کرنے کی اجازت مشروع ٹھہرے گی۔ تاریخ القضاء فی الاسلام میں وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں کہ بعض اوقات آپ اپنی موجودگی میں ہی کسی صحابی کو اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کرنے کی ذمہ داری بھی سونپ دیتے تھے¹³۔

صحابہ اکرامؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بہت زیادہ مشورہ کرنے والے تھے غزوہ احد میں آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر لڑا جائے یا مدینہ سے باہر۔ صحابہ اکرامؓ کی اکثریت نے مدینہ سے باہر قتال کرنے کا حکم دیا آپ ﷺ کی اپنی رائے تھی کہ مدینہ کے اندر رہا جائے لیکن امت کی اکثریت کو اہمیت دیتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی رائے پر عمل نہیں کیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ بھی امت کی رائے کو ترجیح دے رہے ہیں اور حیرت کی بات یہ ہے کہ صحابہؓ کی اکثریت نے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف مشورہ دینے میں حرج محسوس نہیں کیا کیونکہ انہیں علم تھا کہ خدا اور رسول نے انہیں مباح امور میں اختلاف کا حق دیا ہے¹⁴۔

بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر تہتر مرد اور دو عورتیں شامل تھے، اس وقت آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ وہ اپنے اپنے قبائل کے نمائندے منتخب کر لیں جنہیں نقباء کا نام دیا گیا۔ اہل مدینہ نے بارہ نمائندے منتخب کر دیے جن میں سے نو خزرج کے اور تین قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ کی پہلی منتخب مجلس شوری تھی¹⁵۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی جہات کی رعایت اور ان کے ضمن میں لوگوں کے ساتھ جائز مشاورت سیرت نبوی ﷺ کا نمایاں وصف ہے جس کی رعایت دعوت و تبلیغ کے شعبوں میں بھی ضروری ہے۔

جدید دور میں ایک اور امر جس پر داعیان دین کو توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جدید سماج کی ذہنی ساخت سے بھی تعارف ہونا چاہیے۔ بہت سارے داعی جن کا جدید معاشرے کی نفسیات، زبان اور کلچر سے کوئی معلومات کا ربط بھی نہیں ہوتا وہ جب میدان میں آتے ہیں تو مخاطبین کے دلوں تک نہیں پہنچ پاتے اور مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اس عدم واقفیت کی بنا پر وہ اس طرح تعامل کرتے ہیں کہ اس سے دین اسلام کے بارے میں منفی تاثر پیدا ہو جاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ داعی جدید سماج کی ذہنی ساخت سے بھی پوری طرح تعارف رکھتا ہو۔

اسی طرح ثقافتی تنوع اگر مذہبی اقدار کے متصادم نہیں ہے تو اس کو برقرار رہنے دیا جانا چاہیے۔ معاشروں کا ثقافتی تنوع اس دنیا کی حقیقت ہے، یہ ہمیشہ رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ جس طرح ایک عام آدمی کے لیے اس حقیقت کو قبول کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی داعی پر بھی لازم ہے کہ وہ اس حقیقت کو قبول کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے داعی یہ خیال کرتے ہیں کہ ثقافتی تنوع ایک منفی شے ہے اور سمجھتے ہیں کہ معاشروں کے ثقافتی تنوع کو بھی ختم کر کے ایک کرنا چاہیے¹⁶۔

مخاطب کے حالات و ظروف کی رعایت

جس طرح وہ علماء جن کا کام دینی مسائل میں راہنمائی کرنا ہوتا ہے ان پر فرض ہے کہ وہ زمانی حاجت اور مصلحت عامہ کا اصول اپنے ذہن میں رکھیں اور اسی کے آئینے میں احکامات کا استخراج کریں۔ اسی طرح داعیان دین کا بھی فریضہ ہے کہ وہ حالات و ظروف کی رعایت رکھیں۔

حالات کے فرق کی اہمیت کا اندازہ امام شافعیؒ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے، آپ فرماتے ہیں پیغمبر اسلام کسی قضیے میں ایک سنت متعین کرتے ہیں پھر دوسرے وقت میں اس سے مختلف سنت بیان کرتے ہیں لیکن بعض سامعین یہ نہیں سمجھ پاتے کہ دونوں کے حالات الگ الگ تھے۔ امام شافعی لکھتے ہیں:

"وَسَنَّ ﷺ فِي الشَّيْءِ سَنَةً وَفِيهَا يَخَالَفُهُ أُخْرَى فَلَا يَخْلُصُ بَعْضُ السَّامِعِينَ بَيْنَ

اِخْتِلَافِ الْحَالِينَ اللَّتَيْنِ سَنَّ فِيهِمَا"¹⁷

حالات کے فرق کا لحاظ کرتے ہوئے آپ ﷺ کا مختلف احکامات جاری کرنا امت کے لئے ہدایت ہے کہ ضرورت کے وقت احکامات میں تبدیلی کی جاسکتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ حکم اسلام کی روح کے منافی نہ ہو اور اس میں اجتماعی بہبود مقصود ہو۔ اس پر صحابہ اکرامؓ اور بعد کے فقہاء کا طرز عمل بھی شاہد ہے۔ کئی قیاس موجود ہیں جن میں معتبر حضرات نے نصوص کے برعکس فتویٰ دیا یہاں چند مثالیں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم کی صحیح حدیث ہے جس کا مفہوم ہے آپ ﷺ سے بھٹکی ہوئی اونٹنی کے متعلق سوال کیا گیا کہ اگر ایسی اونٹنی مل جائے تو اسے پکڑ لیا جائے یا آزاد رہنے دیا جائے آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"مَا لَكَ وَلَهَا، مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا"¹⁸

ترجمہ: تمہیں اس سے کیا غرض، اس کے ساتھ اس کا پانی اور پیر ہیں وہ پانی پیتی ہے اور درخت سے

کھاتی ہے یہاں تک کہ اسے اس کا مالک مل جائے۔

اس حدیث کے مطابق بھٹکی ہوئی اونٹنی کو پکڑنا درست نہیں ہے جبکہ نبیؐ میں حضرت عثمانؓ کا فتویٰ اس کے خلاف موجود ہے۔ آپؓ کا فرمان ہے ایسی اونٹنی کو پکڑ کر اس کے بارے میں اعلان کیا جائے اگر مالک نہ ملے تو اسے بیچ دیا جائے پھر جب بعد میں مالک کا علم ہو تو اسے اونٹنی کی رقم ادا کر دی جائے¹⁹۔ حضرت عثمانؓ نے صحیح حدیث کی موجودگی کے باوجود اس کے مخالف فتویٰ دیا۔ اسکی توجیہ بعض علماء نے یہ پیش کی کہ حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے حدیث کے برعکس فتویٰ دیا اگر ملک میں عدل و ایمانداری ہو تو اونٹنی کو آزاد رہنے دیا جائے اور اگر عدل و ایمانداری مفقود ہو تو اسے پکڑ کر بیچ دیا جائے اور مالک کے ملنے پر اسے رقم کی ادائیگی کر دی جائے تاکہ اس کے چوری ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

زمان و مکان کے تابع رہنا ہی قدرت الہی کا فیصلہ اور چاہت ہے۔ کوئی بھی اجتماعی نظم ایک دم عدم سے وجود میں نہیں آتا انسانی تجربات ہی نظم کو وجود دیتے اور تخلیق کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ جب مدینہ میں آئے تو آپ نے صرف اقدار کی جگہ اقدار پیش کیں اور وہ بھی آہستہ آہستہ²⁰، اس کے علاوہ انتظامی امور تو جیسے تھے ایک حد تک ویسے ہی رہے، اگر کہیں کہیں تبدیلیاں ہوئیں تو وہ بھی مشاورت کے ساتھ۔ عصر حاضر کا زمان و مکان مختلف ہے۔ سائنسی، معاشی، سماجی، سیاسی امکانات اور تقاضے بھی الگ ہیں لہذا اسلامی اقدار کی رعایت رکھتے ہوئے ہمارے اجتماعی نظم کا دھانچہ بھی ماضی سے کچھ امور میں الگ ہو سکتا ہے جس کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔

جدید ذرائع ابلاغ کے استعمال کا سلیقہ

عصر حاضر میں ہر شعبے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب ان سے متعلقہ وسائل و آلات بھی مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں۔ انہی میں سے ایک ذرائع ابلاغ کا شعبہ بھی ہے۔ یہ شعبہ اتنا اہم ہے کہ دنیا کے تقریباً تمام دیگر شعبے اپنی ترقی میں اس سے مدد لیتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی لوگوں کے اندر خاندان اور تعلیمی اداروں کے بعد ذرائع ابلاغ کا کردار بہت اہم ہے۔ یہ شعبہ رائے سازی کا بڑا پلیٹ فارم ہے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے بھی اب ان جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال نہایت پروری ہے۔²¹ لیکن ابلاغیات کے جدید وسائل کے استعمال کا طریقہ اس سے الگ ہے جو قدیم طریقوں میں استعمال ہوتے تھے۔ لہذا ان کا سیکھنا اور ان سے ہر طرح سے تعارف پیدا کرنا اہم ہے۔ بہت سے لوگ دعوت و تبلیغ کے لیے ان ذرائع کے استعمال کو اہمیت نہیں دیتے جس کا نقصان ہوتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے سیاسی جماعتوں کے تحریک کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ اب ان کی ساری توجہ سوشل میڈیا اور جدید ذرائع ابلاغ کی جانب ہے۔ رائے سازی کا عمل اب ذرائع ابلاغ کے جدید وسائل کی مدد سے انجام پاتا ہے جس کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔²²

”رائے عامہ کی تشکیل ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کے توسط سے

ہر جگہ اور ہر وقت ہو رہا ہوتا ہے۔ علماء، اساتذہ، میڈیا، والدین، ریاست، گلی محلہ، سب اپنی اپنی

جگہ رائے عامہ کی تشکیل میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمہ وقت مختلف افراد یا طبقات کے بارے میں کوئی

نہ کوئی رائے پیش کی جا رہی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے اذہان میں کوئی نہ کوئی نقطہ اتارنے کی

کوشش کی جا رہی ہوتی ہے۔ اسی طریقے سے رائے عامہ کی تشکیل ہوتی ہے“²³۔

دعوت دین کی ضرورت ہے کہ ان وسائل کو دینی کاموں میں بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے۔ داعی اپنی دعوت پیش کرنے کے لئے ان میں سے کس ذریعے کو کہاں استعمال کرے، اس کا انحصار اس کے دعوتی مقاصد، دعوت کی وسعت، مخاطبین کی تعداد اور دعوتی پیغام کی نوعیت پر ہے۔ ہمارے معاشرے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دعوت دین کے ان جدید وسائل کو استعمال کرنا بے برکتی کا باعث ہے²⁴۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام وسائل کو شیطانی اور

طاغوتی قوتیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں مگر دینی کاموں میں ان کا عشرِ عشر بھی استعمال بھی نہیں ہو رہا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ شیطانت تو آج گھر گھر اپنے پنچے گاڑ چکی ہے مگر اسلام صرف مسجد اور مدرسہ میں مقید ہو کر رہ گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے بھی ہمیں اس کی تعلیم ملتی ہے۔ جس طرح کہ آپ ﷺ کے عہد میں عوام سے مخاطب ہونے کے چند ذرائع تھے، ان میں سے ایک پہاڑی پر چڑھ کر قبیلے کو خاص الفاظ بول کر بلانا اور اس کے بعد پیغام سنانا، جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور لوگوں کو ویسے ہی طریقے سے دعوت دینے کے لیے متوجہ کیا۔²⁵

اسی طرح لوگوں کی بڑی تعداد سے مخاطب ہونے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ سالانہ حج کے موقع پر سوقِ عکاظ میں لوگوں سے خطاب کیا جاتا یا بات پہنچائی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے بھی یہ طریقہ استعمال کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور کے طرزِ مخاطب کے وسائل کو استعمال میں لانا چاہیے تاکہ دعوت کا کام جاری رہے۔²⁶

نتائج و حاصلات

1. عصر حاضر میں رائے سازی کے عمل کا سب سے بڑا وسیلہ جدید ذرائعِ ابلاغ کا ہے جسے دعوت کے شعبے میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔
2. داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سماج، بالخصوص نئی نسل کے ذہنی رجحانات سے بخوبی واقفیت حاصل کرے اور دعوت کے عمل میں اس کو مد نظر رکھے۔
3. دعوت و تبلیغ کے عمل کے دوران متنازعہ موضوعات سے احتراز کیا جائے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس طبقے سے مخاطب ہونے کا ارادہ کیا جائے پہلے اس مقام اور وہاں کے دینی و معاشرتی تناظر کا اچھی طرح تعارف حاصل کیا جائے تاکہ ان سے ہم آہنگی اور میل جول آسان و خوشگوار ہو سکے۔
4. عصر حاضر میں دعوت کے عمل کے لیے متکلم کا تعین کر دیا جائے اور اس کے لیے صاحب علم و فراست شخص کا انتخاب ہو۔
5. مخاطب کے حالات و ظروف کی رعایت رکھی جائے۔ اس لیے داعی کا ادارہ جاتی و انتظامی امور میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1- علی محفوظ، شیخ، ہدایۃ المرشدین، دارالاعتصام، بیروت، 2014ء، ص 21

- 2- احمد امین، فجر الاسلام، دارالکتب العربی، بیروت، 2003ء، ص 70
- 3- علی عبدالخلیم، محمود، منہج الدعوة الی اللہ، دارالوفاء، قاہرہ، 2000ء، ص 155
- 4- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دار طوق النجاة، بیروت، 1422ھ، باب بدء الوئی، حدیث نمبر: 7/1/8
- 5- دیکھیے: البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، دار و مکتبۃ اہلال، بیروت، 1988ء، ص 72
- 6- آل عمران: 3/64
- 7- القحطانی، سعید بن علی، فقہ الدعوة فی صحیح البخاری، مکتبہ وھبہ، الریاض، 2011ء، 1/44
- 8- البلاذری، فتوح البلدان، ص 72
- 9- عبد اللہ علوان، صفات الدعوة النفسیہ، دار الریان، بیروت، 2018ء، ص 66
- 10- عبد الملک بن ہشام، السیرہ النبویہ، دار الشروق، بیروت، 2006ء، 4/221
- 11- عبد الکریم الخطیب، السیاسہ العالیہ فی الاسلام، المکتبہ العلمیہ، بیروت، 1998ء، ص 7
- 12- احمد شلبی، السیاسہ فی الاسلام، دار النھضہ، اسکندریہ، 2004ء، ص 12
- 13- السمعانی، منصور بن احمد، قواعد الادلہ فی اصول الفقہ، مکتبۃ التوبہ 1988ء، 4/83، میں متعدد مثالیں ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنی موجودگی میں اجتہاد کرنے کا حکم دیا۔ انہی میں سے ایک مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار عمرو بن العاص کو دو لوگوں کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف کے نتیجے میں اجتہاد کر کے فیصلہ کرنے کا حکم دیا، عمرو بن العاص نے کہا: آج تمہارا آج حاضر؟ (کیا میں آپ کے ہوتے ہوئے اجتہاد کروں؟) قال نعم (آپ نے جواب میں فرمایا: ہاں)۔
- 14- ایضاً، 133
- 15- فالج حسین، بحث فی نشاۃ الدولہ الاسلامیہ، مرکز دراسات الوحده العربیہ، بیروت، 2010ء، ص 41
- 16- سید محمد ساداتی، رکائز الاسلام، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، 2006ء، ص 180
- 17- امام شافعی، الرسالہ، تحقیق احمد شاکر، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص 144
- 18- بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ، باب: لایحی الالہ واللہ ولسولہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 2372/3/109
- 19- ابن عبد البر، الاستذکار، المکتبہ العلمیہ، بیروت، 1993ء، 7/255
- 20- عبد الکریم زیدان، اصول الدعویہ، ص 211
- 21- سید محمد ساداتی، رکائز الاسلام، ص 77
- 22- عبد اللہ علوان، صفات الدعوة النفسیہ، ص 122
- 23- ایضاً، ص 217
- 24- ایضاً، ص 214
- 25- التیمی، احمد بن علی، مسند ابی یعلیٰ، المکتبہ الاسلامی، بیروت، 2004ء، 2/159
- 26- طاہر بن عاشور، التحریر والتنویر، دارالکتب اللبنانی، بیروت، 2017ء، ص 222